غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے

خالد سیف اللہ رحمانی

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا حکم ان کے لئے کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :

۱- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے معاملہ میں شرعاً قاضی ہوسکتا ہے؟

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو مسلمانوں کے حق میں اس کے فیصلہ کی حیثیت کیا ہوگی؟

۳- کیا غیر مسلم دو مسلمانوں کے درمیان حکم بن سکتا ہے؟

۴- کیا غیر مسلم ایسے معاملات میں مسلمانوں کا وکیل بن سکتا ہے جو خالص شرعی نوعیت کے ہوں؟

۵- اگر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے تو تمام معاملات میں یا کچھ مخصوص معاملات میں؟

غیر مسلم جج

۱- بنیادی طور پر ہر انسان کو اپنے معاملات میں خود ہی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اسی لئے تمام عقود میں تراضی کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور تمام فسوخ میں بھی طرفین کی رضامندی ضروری ہے، سوائے اس صورت کے جس میں شریعت نے کسی ایک فریق کو ایک طرفہ طور پر اس معاملہ کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہو؛ البتہ جب کسی نقص کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ سے محروم ہوتا ہے تو وہ بذات خود تصرف نہیں کرسکتا؛ جیسے نابالغ، مجنون اور سفیہ، سفیہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد تصرف کا مجاز ہوجاتا ہے؛ لیکن جمہور کے نزدیک جب تک اس کا شعور پختہ نہ ہوجائے اور سفاہت کی کیفیت ختم نہ ہوجائے، وہ مسلوب الاختیار رہوتا ہے(۱) اور اس کا عقد یا فسخ معتبر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعض اوقات مفاد عامہ کے تحت حکومت کو بعض لوگوں کے اختیارات سلب کرلینے کا حق

(۱) دیکھئے: ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الحجر: ۲۱۸/۹-۲۱۹، ط: دیوبند۔

حاصل ہوتا ہے: جیسے مفتی ماجن اور طبیب جاہل (۱) مفتی ماجن (آوارہ خیال مفتی) کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کا تصرف دینی اعتبار سے لوگوں کے لئے نقصاندہ ہوسکتا ہے، اور طبیب جاہل کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور زندگی کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص تصرف کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو یا رکھتا ہو؛ لیکن اس کا صحیح استعمال نہ کرتا ہو تو افراد اور سماج کے مفادات کے تحفظ کے لئے شریعت حقِ تصرف دوسروں کی طرف منتقل کرتی ہے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں 'ولایت' کہتے ہیں؛ چنانچہ ولایت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

والولاية تنفيذ القول على الغير .(۲)

ولایت دوسرے پر اپنی رائے کو نافذ کرنا ہے۔

ولایت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ولایت خاصہ اور ولایت عامہ۔

ایک شخص کو دوسرے شخص کی ذات یا املاک میں تصرف کا جو حق حاصل ہوتا ہے، وہ ولایت خاصہ ہے: جیسے لڑکوں پر باپ کی ولایت اور باپ موجود نہ ہوں تو دادا یا دوسرے قریبی رشتہ داروں کی ولایت۔

ولایت عامہ: ایسی ولایت ہے جو کسی شخص کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کو عام مسلمانوں اور ملک کے باشندوں پر حاصل ہو، جیسے امیر اور قاضی کی ولایت، امیر کے احکام جو عام مسلمانوں پر واجب الطاعت ہیں اور قاضی کے فیصلے جو فریقین کے لئے قابل نفاذ ہیں، اس کی بنیاد یہی 'ولایت عامہ' ہے۔

ولایت کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ مسلمانوں پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہوسکتی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وَلَن يَجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً**'' (النساء:۱۴۱) نیز فرمایا گیا: ''**وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ**'' (التوبۃ:۷۱) اسی طرح فرمایا گیا: ''**لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاء مِن دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ**'' (آلِ عمران:۲۸) اسی بنیاد پر اُمت کا اجماع ہے کہ اگر اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر ہو تو والد کو اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی؛ چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں :

لا ولاية للكافر على المسلم ؛ لأنه لا ميراث بينهما .(۳)

اسی سلسلہ میں علامہ ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں :

..... **فلا يثبت لكافر ولاية على مسلمة ، وهو قول عامة أهل العلم**

---

(۱) دیکھئے: ردالمحتار مع الدرالمختار ، كتاب الحجر: ۹/۲۱۴-۲۱۵، مع تحقيق : عادل واحد۔

(۲) الدرالمختار: ۲/۱۹۱، نیز دیکھئے: كتاب التعريفات: ۲۸۲۔

(۳) بدائع الصنائع: ۲/۵۰۰۔

أيضاً ، قال ابن المنذر : أجمع عامة من نحفظ عنه من أهل العلم على هذا .(۱)

.....کافر کو مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے، علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ میں جن اہل علم کی آراء سے واقف ہوں وہ قریب قریب اس پر متفق ہیں۔

قاضی کو بھی مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی حیثیت سے نکاح فسخ کرتا ہے؛ کیوں کہ شوہر پر یہ بات واجب ہے کہ یا تو بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے اسے رکھے یا پھر بہتر طریقہ پر اسے چھوڑ دے ''**فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ** ''(البقرۃ:۲۲۹) اگر شوہر امساک بالمعروف بھی نہیں کرتا اور تسریح بالاحسان بھی نہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب اور عورتوں کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے اور دفع ضرر قاضی کا فریضہ ہے؛ لہٰذا اسے جو ولایت عامہ حاصل تھی، اسی حیثیت سے وہ اس مرد کی طرف سے تفریق کر دیتا ہے؛ چنانچہ غیر مسلم کو چوں کہ مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں، اس لئے فقہاء اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں پر قاضی نہیں ہوسکتا۔

فقہاء حنفیہ میں عیسیٰ بن عثمان غزی فرماتے ہیں :

..... **فلا تصح ولاية الكافر في ذلك ، لأن القضاء ولاية ولا ولاية لكافر على مسلم في أدنى الولايات فكيف بولاية القضاء التي هي أعلى الولايات بمقتضى تطبيق شرع الله وتنفيذ أحكامه ، قال تعالىٰ :** ''**وَلَن يَجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً** ''(النساء:۱۰).(۲)

.....اس سلسلے میں کافر کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر معمولی درجہ کی ولایت ہی حاصل نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ ولایت قضاء کہ وہ تو سب سے اعلیٰ درجہ کی ولایت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور اس کے احکام کو منطبق کرتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر اختیار نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :

---

(۱) المغنی:۹/۳۶۷۔

(۲) ادب القضاء للغزی:۱۵۔

..... **وبه علم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاء ه على المسلم حال كفره .(۱)**

.....اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی مقرر کرنا درست ہے؛ اگر چہ کہ حالت کفر میں مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ؛ البتہ غیر مسلموں پر اس کا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے۔

یہی نقطۂ نظر فقہاء مالکیہ کا ہے؛ کیوں کہ شہادت کا درجہ قضاء سے کم تر ہے اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں یہود ونصاریٰ کی شہادت معتبر نہیں :

ولا تجوز شهاد ة اليهود ولا النصاریٰ فيما بين المسلمين حتى يسلموا . (۲)

اسی کے قائل شوافع ہیں :

فلا يجوز أن يكون كافراً ولا فاسقاً ؛ فإن تولى القضاء وهو عدل ثم فسق ..... بطلت ولايته .(۳)

کافر اور فاسق قاضی نہیں ہوسکتا، اگر اسے قضاء کا عہدہ سونپا گیا؛ جب کہ وہ عادل تھا پھر فاسق ہوگیا.....تو اس کی ولایت باطل ہوگئی۔

فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں :

ولا يولى قاضٍ حتى يكون بالغاً مسلماً حراً عدلاً . (۴)

بالغ مسلمان آزاد اور عادل شخص کو ہی قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے۔

غرض کہ قریب قریب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا ہے، اور قاضی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط اس بات کو شامل ہے کہ غیر مسلم قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں۔

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی

۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کے لئے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟—اس سلسلہ میں فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم حکومت کے مقرر کئے ہوئے مسلمان

(۱) ردالمحتار:۲۴/۸۔ (۲) المدونة الكبرىٰ :۸۱/۴۔

(۳) البيان:۲۰/۱۳،ط:دارالمنهاج۔ (۴) المغنی:۱۲/۱۴۔

قاضی کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر ہے؛ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں :

ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً ، (۱) قوله : (ولو كافراً) في التاتارخانيه : الإسلام ليس بشرط فيه ، أي في السلطان الذي يقلد . (۲)

سلطان عادل ہو یا ظالم؛ اگرچہ کہ کافر ہو پھر بھی اس کی طرف سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے.....تاتارخانیہ میں ہے: کہ جو سلطان قاضی مقرر کررہا ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

نیز ابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں :

وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه إقامة الجمعة والأعياد ، وأخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الأيامى لاستيلاء المسلم عليهم ، وأما طاعة الكفرة فهي موادعة ومخادعة . (۳)

جن شہروں میں غیر مسلموں کی جانب سے مسلمان والی مقرر ہوں ، ان میں جمعہ وعیدین قائم کرنا، خراج وصول کرنا، قاضی مقرر کرنا، جن کے اولیاء نہ ہوں ان کا نکاح کرنا درست ہے؛ کیوں کہ مسلمانوں پر ایک مسلمان ہی کو حاکمانہ حیثیت حاصل ہے، رہ گیا کافروں کی اطاعت کرنا تو وہ بہ طور صلح اور حیلہ کے ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء احناف کی کتابوں میں زیادہ صراحت ملتی ہے؛ لیکن دوسرے فقہاء کے اُصول وقواعد کے لحاظ سے یہی نقطۂ نظر ان کا بھی ہونا چاہئے ،—غرض کہ غیر مسلم حکومت کا مقرر کیا ہوا مسلمان قاضی یا مجسٹریٹ اگر فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

غیر مسلم بحیثیت حَکَم

۳- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے درمیان حکم ہوسکتے ہیں؟ —اس سلسلہ میں فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کا اہل ہو، وہی حکم بھی ہوسکتا ہے؛ چنانچہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے :

..... **أن يكون أهلاً لولاية القضاء ، وعلى ذلك إتفاق المذاهب الأربعة ، على خلاف فيما بينهما في تحديد عناصر تلك الأهلية . (۴)**

---

(۱) الدر المختار مع الرد:۴۳/۸۔ (۲) ردالمحتار:۴۳/۸۔

(۳) جامع الفصولين:۱۴/۱،ط: کتب خانہ کراچی۔ (۴) الموسوعة الفقهية:۲۳۷/۱۸۔

.....حکم بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاضی ہونے کا اہل ہو، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے؛ البتہ خود اہلیت قضاء کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اس کی تحدید میں اختلاف ہے۔

اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان ہی قضاء کا اہل ہوسکتا ہے، غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہوسکتا(۱)؛ چنانچہ فقہاء نے خود تحکیم کے مسئلہ میں بھی اس کی صراحت کی ہے، فقہاء حنفیہ میں علامہ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں :

ولا يجوز تحكيم الكافر ..... لانعدام أهلية القضاء اعتباراً بأهلية الشهادة .(۲)

کافر کو حکم بنانا جائز نہیں.....اس لئے کہ وہ قاضی بننے کا اہل نہیں، گواہ بننے کی اہلیت پر قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

.....علامہ داماد آفندی نے بھی اس کی صراحت کی ہے :

فلو حكما عبداً أو صبياً أو ذمياً ..... لم يصح .(۳)

اگر دونوں فریق کسی غلام یا نابالغ یا کسی ذمی کو حکم بنادیں.....تو درست نہیں۔

علامہ دسوقی مالکیؒ کا بیان ہے :

وجاز ..... تحكيم رجل غير خصم ..... وغير جاهل وكافر ..... فإذا حكما خصماً أو جاهلاً أو كافراً لم ينفذ حكمه .(۴)

ایسے شخص کو حکم بنانا جائز ہے جو فریق نہ ہو، جاہل اور کافر نہ ہو، اگر کسی فریق کو، جاہل یا کافر شخص کو حکم بنادیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

گویا کہ حکم کو بھی ان لوگوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے، جنھوں نے اس کو حکم بنایا ہو اور غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی؛ اس لئے فقہاء کا نقطۂ نظر ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کے مسائل میں حکم بھی نہیں بن سکتا۔

طلاق کے لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا

۴- جہاں تک غیر مسلموں کو طلاق کے مسئلہ میں وکیل بنانے کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں صراحت

---

(۱) دیکھئے: الموسوعة الفقهية: ۳۳/۲۹۱-۹۳، اهلية القضاء۔

(۲) هدايه: ۳/۱۵۱، نیز دیکھئے: فتح القدير: ۷/۹۶، باب التحكيم ، ردالمحتار: ۸/۲۴، كتاب القضاء۔

(۳) مجمع الأنهر: ۱/۱۷۳۔ (۴) حاشية الدسوقي: ۶/۱۲-۱۳۔

ملتی ہے کہ وکیل کے لئے صرف عاقل ہونا ضروری ہے، اور علامہ کاسانیؒ نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کو وکیل بنایا گیا اور پھر وہ مرتد ہوگیا تو باوجود ارتداد کے وکالت ختم نہیں ہوگی :

وأما الذی یرجع إلی الوکیل فهو أن یکون عاقلاً فلا تصح وکالة المجنون والصبی الذی لا یعقل ..... وکذا ردة الوکیل لا تمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد . (۱)

وکیل سے متعلق شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ عاقل ہو؛ لہٰذا مجنون اور بے شعور بچے کی وکالت صحیح نہیں ہوگی، اس طرح وکیل کا مرتد ہوجانا وکالت کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے۔

نیز کن چیزوں میں وکیل بنایا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں :

ویجوز التوکیل بالصلح والإبراء ، ویجوز بالطلاق والعتاق والإجارة والإستئجار الخ . (۲)

لہٰذا مرتد کو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور صلح کرنے کا، بری کرنے کا، طلاق دینے کا، آزاد کرنے کا، کرایہ پر دینے کا اور کرایہ پر لینے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت کو طلاق دینے میں وکیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء شوافع کے یہاں اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں؛ لیکن راجح یہی ہے کہ وکیل بنایا جاسکتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں :

..... **فإن وکله فی طلاق مسلمة ، فوجهان ؛ لأنهٗ لا یملک طلاق مسلمة ؛ لکن یملک طلاقاً فی الجملة . (۳)**

.....اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا تو اس سلسلے میں دو قول ہیں، اس لئے کہ اگرچہ وہ مسلمان عورت کو طلاق دینے کا مالک نہیں ہے؛ لیکن فی الجملہ طلاق دینے کا مالک تو ہے۔

اسی طرح علامہ شربینی رقمطراز ہیں :

..... **توکیل المسلم کافراً فی طلاق المسلمة ، وقد یتصور وقوع طلاق کافر علی مسلمة بأن تسلم أولاً ویتخلف ثم یطلقها فی العدة**

---

(۱) بدائع الصنائع:۱۶/۵۔ (۲) بدائع الصنائع:۲۰/۵۔

(۳) روضة الطالبین وعمدة المفتین ، کتاب الوکالة:۳۰۰/۴۔

ثم يسلم قبل انقضائها فإن طلاقه واقع عليها .(۱)

.....کسی مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں مسلمان کافر کو وکیل بنا سکتا ہے اور کسی کافر کے مسلمان عورت پر طلاق کا واقع کرنا فی الجملہ متصور ہے، اس طور پر کہ عورت پہلے مسلمان ہو جائے اور شوہر مسلمان ہونے میں دیر کرے، پھر عدت میں اسے طلاق دیدے، پھر عدت کے گذرنے سے پہلے وہ اسلام قبول کرلے تو اب اس کی حالت کفر کی یہ طلاق عورت پر واقع ہو جائے گی۔

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی بھی ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے :

صح أن يوكل فيه رجلاً كان أو إمرأة حراً أو عبداً مسلماً أو كافراً . (۲)

یہ درست ہے کہ جن اُمور میں وہ خود تصرف کرسکتا ہے اور اس میں نیابت کی بھی گنجائش ہو، کے سلسلے میں کسی شخص کو وکیل بنائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا کافر۔

البتہ ان کے یہاں ضروری ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا جارہا ہو، وکیل کا بذات خود بھی اس قسم کا تصرف صحیح ہو، نیز شرعاً اس میں نیابت درست ہو :

وكل من صح تصرفه فى شيء بنفسه ومما تدخله النيابة صح أن يؤكل فيه رجلاً كان أو امرأة ، حراً كان أو عبداً ، مسلماً كان أو كافراً ..... لا يصح أن يؤكل فيه كالمرأة فى عقد النكاح وقبوله والكافر فى تزويج مسلمة . (۳)

جس چیز میں کوئی شخص خود تصرف کرسکتا ہو، نیز اس میں نیابت کی گنجائش ہے تو اس میں اس کا کسی مرد یا عورت، آزاد یا غلام اور مسلمان یا کافر کو وکیل بنانا درست ہے .....چنانچہ نکاح کے کرنے اور اس کے قبول کرنے میں عورت کو اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کرنے میں کافر کو ولی نہیں بنایا جاسکتا۔

اب اگر علامہ شربینیؒ کی اس تشریح کو قبول کرلیا جائے —— جو اوپر گذری ہے کہ فی الجملہ مسلمان عورتوں پر

(۱) مغنى المحتاج:۲۱۹/۲،كتاب الوكالة۔

(۲) الشرح الكبير مع الإنصاف:۴۴۰/۱۳۔

(۳) المغنى:۱۹۷/۷-۱۹۸۔

کافر کی طلاق کا واقع ہونا ممکن ہے —— تو پھر حنابلہ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ البتہ مالکیہ کے نزدیک غیر مسلم کو طلاق کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا ہے :

ومنع توكيل كافر وهو أعم من الذمي .(۱)

کافر کو وکیل بنانے کی ممانعت ہے اور کافر کا لفظ ذمی سے عام ہے، یعنی ذمی اور حربی دونوں کو شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کن معاملات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے اور کن میں نہیں؟

۵- غیر مسلم ممالک کی عدلیہ کے کونسے فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہوں گے اور کونسے نہیں؟ —— اس سلسلہ میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ فیصلے دو قسم کے ہوسکتے ہیں :

(الف) وہ معاملات جن کے لئے سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں اگر شریعت میں معتبر ثبوت کی بنیاد پر عدالت فیصلہ کردے تو وہ قابل نفاذ ہوگا؛ جیسے ورثہ کا حقِ میراث مورث کی موت کی وجہ سے ترکہ میں ثابت ہو چکا ہے، عدالت نے شرعی ہدایت کے مطابق ترکہ تقسیم کردیا، یا خریدار کی ملکیت مبیع پر عقد بیع کی وجہ سے ثابت ہوچکی ہے، بائع قبضہ نہیں دے رہا تھا، عدالت نے فیصلہ دیا کہ بائع خریدار کو وہ شئ حوالہ کردے تو یہاں ورثہ یا خریدار کے حقوق پہلے سے ثابت تھے، قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے ثابت ہوا ہو، ایسا نہیں ہے، ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

(ب) دوسرے قسم کے معاملات وہ ہیں جن میں محض سبب کا پایا جانا کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، جیسے فسخ نکاح، ایسے مقدمات میں غیر مسلم جج کا فیصلہ کافی نہیں۔

تطبیقات

ان توضیحات کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے :

۱- اگر کوئی مسلمان مرد عدالت سے رُجوع ہو کہ اس پر طلاق واقع کردی جائے تو یہ اس کی طرف سے طلاق کے لئے عدالت کو وکیل بنانا ہوگا اور غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔

۲- اگر عورت کی طرف سے طلاق کا مقدمہ دائر ہو، عدالت نے طلاق کا فیصلہ کیا اور شوہر کو طلب کر کے

(۱) الشرح الصغير:۵۱۱/۳۔

اس کا اس پر دستخط لے لیا گیا تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیوں کہ یہ طلاق نامہ پر دستخط کرانے کے حکم میں ہوگا۔

۳- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ دائر کیا اور شوہر نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ عدالت اس کے دعویٰ کو قبول کرسکتی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے توکیل طلاق ہوگی اور عدالت کا طلاق کے سلسلہ میں فیصلہ کرنا معتبر ہوگا۔

۴- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا اور شوہر نے جواب میں عدالت سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کرنا چاہے، کرسکتی ہے، مجھے قبول ومنظور ہوگا تو یہ بھی **السوال معاد فی الجواب** کے تحت طلاق کی توکیل سمجھی جائے گی اور عدالت کا طلاق دینا معتبر ہوگا۔

۵- اگر بیوی نے طلاق کا مقدمہ دائر کیا، شوہر نے جواب نہیں دیا اور رفع الزام سے اعراض کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کیا گیا، یا شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا، اس کے باوجود عدالت نے طلاق واقع کردی تو اس صورت میں عدالت کی طرف سے واقع کی جانے والی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم قاضی نہیں ہوسکتا اور قاضی ہی فسخ نکاح کرسکتا ہے۔

۶- اگر میاں بیوی کے درمیان نزاع پیدا ہوا، دونوں مل کر عدالت گئے اور عدالت سے طالب ہوئے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے، عدالت نے ان کے معاملات سن کر اپنے طور پر فیصلہ کردیا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم کو حَکَم بنانا درست نہیں؛ البتہ عدالت کے فیصلہ کے بعد اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے اسے قبول کیا تو اب طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیوں کہ اگر کوئی فضولی کسی سے کہے کہ میں نے تمہاری طرف سے تمہاری بیوی پر طلاق واقع کردی ہے اور شوہر نے کہا کہ میں نے اسے جائز قرار دیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

چند تجویزیں

ان حالات میں غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے لئے بہ طور لائحہ عمل کے تین باتیں اہم ہیں :

۱- مسلمانوں کو حکومتوں سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لئے الگ مسلمان قاضی یا مسلمان مجسٹریٹ کا تقرر کرے جو آئینی مسائل سے متعلق مقدمات میں فیصلے کیا کرے؛ تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرسکیں؛ کیوں کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کیا ہوا مسلمان والی مسلمانوں کے مذہبی اُمور کو طے کرسکتا ہے :

وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه إقامة الجمعة والأعياد ..... وتقليد القضاء وتزويج الأيامى . (۱)

(۱) جامع الفصولين: ۱/۱۴۔

چنانچہ اس وقت ماریشس میں یہی نظام قائم ہے اور ہندوستان میں بھی قدیم زمانہ سے بھوپال میں یہی طریقہ مروج رہا ہے، ہندوستان میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کئی بار اس کی کوشش کی گئی؛ مگر نتیجہ خیز نہ ہوسکی۔

۲- جہاں یہ سہولت میسر نہ ہو وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی امیر کو منتخب کریں، جو اس کے لئے قاضی مقرر کرے اور اگر کسی امیر پر اتفاق نہ ہوسکے تو کم سے کم کسی قاضی پر اتفاق کریں اور وہ ایسے مقدمات کے فیصلے کرے؛ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ (متوفی:۸۶۸ھ) فرماتے ہیں :

و إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن ..... يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولي قاضياً أو يكون هو الذي يقضي بينهم .(۱)

جب سلطان موجود نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص جس کی طرف سے قاضی مقرر کیا جانا درست ہو؛ جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان شہروں کا حال ہے جن پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، جیسا کہ اس وقت مغرب کے علاقہ میں قرطبہ ہے.....تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اسے والی منتخب کرلیں، وہ قاضی کا تقرر کرے یا وہ خود لوگوں کے درمیان قضاء کا فریضہ انجام دے۔

یہ بات دوسرے فقہاء کے یہاں نسبتاً کم اور احناف کے یہاں زیادہ وضاحت کے ساتھ ملتی ہے؛ چنانچہ علامہ محمود بن اسرائیل نے جامع الفصولین (۱/۱۴، ط: کراچی) علامہ ابن بزاز کردری نے فتاویٰ بزازیۃ (علی ہامش الہندیہ، کتاب السیر :۶/۳۱۱) علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق (۶/۲۹۸) علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار (باب الجمعہ:۱/۲۳۹) اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار (کتاب القضاء:۴/۳۰۸) میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، اس سے نہ صرف مسلمانوں کے مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے گی؛ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی میں بھی سہولت ہوگی۔

۳- غیر مسلم ممالک میں مسلمان اپنے نکاح نامے مرتب کریں اور کوئی ملی تنظیم اور جہاں امارت کا نظام قائم ہو وہاں امارت اس کا ریکارڈ رکھے، ان نکاح ناموں میں یا تو تفویض طلاق کی دفعہ رکھی جائے، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تحریر کیا ہے اور ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کے سیمینار

(۱) فتح القدیر:۶/۳۶۵۔

منعقدہ علی گڑھ نے بھی مسلمانوں کے سماجی مسائل کے حل کے لئے اس کو تجویز کیا ہے اور اہل علم کے لئے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں نکاح سے پہلے بھی تفویض طلاق ممکن ہے اور نکاح کے بعد تو تقریباً تمام ہی فقہاء کے نزدیک تفویض طلاق ہوسکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں ایک دفعہ تحکیم کی رکھی جائے، یعنی عاقدین دارالقضاء یا شرعی پنچایت کو حکم بنائیں کہ ان کے درمیان ازدواجی مسائل سے متعلق جو بھی نزاع پیدا ہوگی، وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا، اسطرح ان کے ازدواجی مسائل کے متعلق مقدمات میں دارالقضاء کو قانونی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔

خاص کر وہ ممالک جہاں رجسٹرڈ نکاح ہی قانون کی نظر میں معتبر ہوتا ہے اور نکاح کے بغیر مرد عورت پر باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنا ممنوع بھی نہیں ہے، وہاں بہت سے مسلمان کورٹ میں گئے بغیر شرعی طریقہ پر اپنا نکاح کر لیتے ہیں، جو اسلام کی نظر میں تو شوہر و بیوی ہیں؛ لیکن قانون کی نظر میں نہیں، ایسے لوگ تفویض طلاق یا تحکیم کے اس معاہدہ سے خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

هذا ماعندي ، والله أعلم بالصواب ، وعلمهٗ أتم وأحكم .

○ ○ ○